© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

صدر پاکستان جنرل یحیٰی خان نے اپنے مشرقی پاکستان کے حالیہ دَورے کے تاثرات بیان کرتے ہوئے کراچی میں اخبار نویسوں سے کہا ہے کہ جن سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں سے میں مشرقی پاکستان میں ملا ہوں، وہ سب اس معاملے میں بالکل صاف ذہن رکھتے ہیں کہ پاکستان کی سالمیت اور اسلام کی عظمت کو ہر حال میں قائم و دائم رکھا جائے گا۔ اس سے کچھ پہلے کراچی کے لئے روانہ ہوتے وقت ڈھاکہ کے ہوائی اڈے پر صدر پاکستان نے اسی سلسلے میں فرمایا کہ مشرقی پاکستان کے سیاسی لیڈروں کی غالب اکثریت کا مجھ سے اس بات پر پورا اتفاق ہے کہ پاکستان کی سالمیت اور اسلام کے اصولوں کو ہر حال میں باقی و محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔

مملکت صرف زمین کے ایک معین رقبہ کا نام نہیں ہوتا۔ مملکت کا ایک معنوی وجود ہوتا ہے، جو اس کے مادّی وجود کو جیسے آپ جغرافیائی وجود کہہ لیں شخصیت عطا کرتا ہے اور اس سے اس مملکت کو استحکام و دوام ملتا ہے۔ یہ معنوی وجود ہر مملکت کا اپنا اپنا ہوتا ہے۔ ایک مملکت کا داخلی ربط و ارتباط اور اس کے عوام میں باہمی اتحاد و اتفاق تمام تر اس پر منحصر ہوتا ہے کہ اس کے معنوی وجود میں کتنی جان ہے۔ اس کی فعالیّت و افادیت کس قدر ہے۔ وہ اس مملکت کے عوام کے دلوں کو کتنا گرما سکتا اور انہیں کس حد تک ایک مثبت و مفید عمل کے لئے محرک کر سکتا ہے۔ اور یہ کہ اس مملکت کے عوام اس کی خاطر کتنی قربانی دے سکتے ہیں۔

تاریخ میں اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بڑی بڑی سلطنتیں آناً فاناً ختم ہوگئیں۔ اور ان پر ایسی جماعتیں غالب آگئیں جو مادی وسائل میں ان سے کہیں کم تھیں۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ بڑی سلطنتیں گو رقبے اور ظاہری شان و شوکت میں بڑی تھیں، لیکن ان کا معنوی وجود اپنی قوتِ حیات کھو چکا تھا۔ چنانچہ جب ان کی مضبوط معنوی وجود رکھنے والی مختصر سی جماعتوں [illegible] ہوئیں تو ان کا شیرازہ بکھر گیا اور وہ صفحۂ تاریخ سے مٹ گئیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن مجید کا ارشاد ہے :۔ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ ۔

~~~~~~ X ~~~~~~

پاکستان کا قیام برّ صغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے اس ایمان و یقین کا حاصل ہے جو انہیں دین اسلام کی حقانیت، اس کی برتری اور عملی زندگی میں اس کی فعالیّت و افادیّت پر تھا۔ برّ صغیر کے مسلمانوں کو یقین تھا کہ مملکت پاکستان کو اسلام سے وہ معنوی وجود ملے گا، جو اسے نہ صرف جغرافیائی و سیاسی استحکام و ثبات دے گا بلکہ وہ اس کی ترقی کا بھی ضامن ہوگا۔ اور اس مملکت کو آگے چل کر جن مسائل سے بھی سامنا کرنا پڑے گا، اسلام سے اس کو تخلیقی محرک (INSPIRATION) بھی ملے گا اور ہدایت و رہنمائی —— (GUIDE LINE) بھی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ پاکستان کی آئیڈیالوجی اسلام ہے تو اس کے یہ معنی ہیں۔ یعنی جس طرح مملکت پاکستان کا قیام مسلمانانِ پاک و ہند کے جذبۂ اسلامیّت کا رہینِ منت ہے، اسی طرح اس کے استحکام، اس کی سالمیّت اور اسے سیاسی و معاشی و عمرانی امور سے عہدہ برآ ہونے میں اسلام ہی روح رواں کا کام دے گا۔

اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ آج ہر پاکستانی کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ پاکستان کی سالمیّت قائم رہے۔ اور اس سالمیّت کے لئے ضروری ہے کہ اس مملکت میں اسلام وہی رول ادا کرتا رہے جو اس نے اس کے قیام میں ادا کیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اسلام یہ رول ادا کر سکتا ہے۔ اور بطریق احسن ادا کر سکتا ہے۔

غرض پاکستان کی سالمیت اور اسلام یا زیادہ معیّن الفاظ میں اسلام کا یہ رول، ہر دو لازم و ملزوم ہیں۔ اور جیسا کہ صدر پاکستان جنرل یحییٰ خان نے کہا ہے، ہمیں بیک وقت ان دو کی حفاظت کرنا ہے۔ اور خوش قسمتی سے اس پر سب سیاسی لیڈروں کا اتفاق ہے۔

~~~~~~ X ~~~~~~

کافی عرصے کی بات ہے، سوویٹ یونین کے ایک رسالے میں یہ بحث تھی کہ ہم جب تمام مذاہب کے ضمن میں اسلام کو بھی افیون قرار دیتے ہیں، تو شرق اوسط اور دوسرے مسلمان ملکوں میں آج یا اس سے پہلے اسلام کا جو رول رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہمارا اسلام کو یہ الزام دینا کہاں تک صحیح ہے۔ اس رسالے میں لکھا تھا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ شرق اوسط اور دوسرے مسلمان ملکوں میں یورپی استعمار کے خلاف جو مسلسل جنگ لڑی گئی، اس میں مسلمانوں کے اسلامی جذبے نے سب سے زیادہ کام کیا، بلکہ اس جنگ میں خود علماء پیش پیش رہے۔ اس کے ثبوت میں قاہرہ کی جامعہ ازہر کی طویل تاریخ کا ذکر کیا گیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گزشتہ ایک صدی میں مسلمان ملکوں میں جہاں بھی اجنبی حکومتوں کے خلاف آزادی کی جدوجہد شروع ہوئی اور وہاں کے مسلمان عوام نے اس کے لئے زیادہ سے زیادہ قربانیاں دیں، تو اس میں اسلام کا جذبہ ہی سب سے بڑا محرک تھا۔ قومی آزادی کی اس جدوجہد میں کہیں بھی قومی رہنماؤں نے اسلام کو اس راہ میں رکاوٹ نہیں پایا، بلکہ وہ اس میں ان کے لئے سب سے بڑی قوت ثابت ہوا۔ ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگ عظیم میں ترکی کی شکست کے بعد جب مصطفیٰ کمال نے اناطولیہ کے میدانوں میں یونانی حملہ آوروں کے مقابلے کی ٹھانی تو اس نے ترک عوام کے اسلامی جذبے سے پورا کام لیا اور اس طرح وہ بے سروسامانی کے باوجود یونانیوں سے اناطولیہ کو آزاد کرانے میں کامیاب ہوا۔ مسلمان عوام میں اسلام ایک بڑی فعّال طاقت ہے۔ اور وہ ان میں غیر معمولی قوتِ عمل اور عدیم المثال قربانیاں دینے کا ولولہ پیدا کر سکتی ہے۔ الجزائر، مراکش اور تیونس میں بھی فرانسیسی استعمار کے خلاف وہاں کے عوام کو متحرک کرنے والی قوت اسلام ہی تھا۔ بے شک ان سب ملکوں میں قومیّت کا جذبہ موجود تھا۔ لیکن اصل طاقت جس نے اس قومیّت کے جذبے کو سرتاپا عمل و حرکت بنایا، وہ وہاں کے عوام کی اسلام سے عقیدت تھی۔ اس لحاظ سے اس دور میں اسلام کا رول آج کے دوسرے مروجہ مذاہب سے بالکل جُدا ہے۔ اس صدی میں کہیں بھی کوئی اور مذہب سوائے اسلام کے عوام کی جدوجہد آزادی کے لئے محرک و مہمیز نہیں بنا۔ مختصراً اسلام موجودہ حالات میں بھی ایک بہت بڑی استعمار دشمن قوت ہے۔ اور اس کا عملی مظاہرہ ہر مسلمان ملک میں ہو چکا ہے۔

~~~~~~~~ × ~~~~~~~~

یہ سب صحیح، لیکن اس سلسلے میں دقت یہ پیش آتی ہے کہ غیر ملکی اقتدار سے نبرد آزما ہونے اور اس سے آزادی حاصل کرنے کے لئے تو اسلام مسلمانوں کو یقین و عمل کی بڑی سے بڑی طاقت عطا کرتا ہے اور وہ اس جذبے میں سرشار ہو کر ہنسی خوشی جان تک دے دیتے ہیں، لیکن جب وقت اور حالات کے مطابق ان کے معاشرے میں کچھ تبدیلیاں کرنا ضروری ہوتا ہے تو ان کا یہی اسلام جو پہلے ایک انقلاب آفریں قوت ہوتا ہے، STATUS -QUO (پہلے کے سے حالات بدستور رہیں) کا سب سے بڑا محافظ بن جاتا ہے۔ اور بعض مسلمان گروہ اپنے مذہبی رہنماؤں کے زیر اثر ہر معاشرتی تبدیلی کو کفر و معصیت سمجھنے لگتے ہیں۔ یہاں ان میں اور مسلمان ملکوں کی حکومتوں میں تصادم ہوتا ہے۔ یہ صرف ترکی و ایران، مصر و الجزائر اور بعض دوسرے مسلمان ملکوں میں نہیں ہوا، بلکہ سعودی عرب جیسے ملک کو بھی جو اس لحاظ سے سب سے زیادہ اعتدال پسند اور قدامت پرست ہے، ایک وقت میں انہی حالات سے دوچار ہونا پڑا۔

© rasailojaraid.com

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے :-
~~~~~~~~

© rasailojaraid.com

اس صدی کے شروع میں سعودی عرب کے موجودہ حکمران خاندان کے افراد اپنے وطن نجد سے جلاوطن ہو کر کویت میں پناہ گزیں تھے۔ ان میں سے عبدالعزیز، جو ہمارے ہاں ابن سعود کے نام سے مشہور ہوئے اور جو شاہ فیصل اور سابق سعودی حکمران سعود کے والد تھے۔ پہلے اپنے آباؤ اجداد کی امارت کو بزورِ شمشیر فتح کرنے میں کامیاب ہوئے، اس کے بعد انھوں نے نجد میں گاؤں اور بستیاں بسائیں، جن میں خانہ بدوش بدو قبائل کو آباد کیا۔ ان آباد کاروں کو اخوان کہا جاتا تھا۔ یہ ان بستیوں میں کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اور ان کے لئے تعلیم کا خاص انتظام تھا۔ یہ تعلیم خالص مذہبی تھی۔ اور اس میں جہاد پر بہت زور دیا جاتا تھا۔ اخوان کی یہ تنظیم اتنی زبردست تھی اور مذہبی تعلیم و تلقین نے ان میں اتنا جذبہ پیدا کر دیا کہ چند سالوں کے بعد ابن سعود نے ان کی مدد سے نجد سے نکل کر پورے حجاز پر قبضہ کر لیا۔ شریف حسین اور ان کے بیٹے شریف علی کو شکست ہوئی۔ اور سعودی عَلَم پورے جزیرۂ عرب پر لہرانے لگا۔ اخوان کے یہ دستے جنھیں کسی اعتبار سے بھی جدید قسم کی تربیت یافتہ فوج نہیں کہا جا سکتا تھا، مذہبی جوش و خروش میں اتنے سرشار تھے کہ وہ عراق اور اردن کی حدود کے اندر گھس گئے۔ اور اگر برطانیہ کے طیارے جس کا اس وقت عراق اور اردن دونوں ملکوں پر قبضہ تھا، ان پر بم نہ برساتے تو حجاز کے ساتھ ساتھ یہ علاقے بھی آج سعودی مملکت کے حصے ہوتے۔

یہ سب کچھ ہوا، لیکن جب سعودی عرب کی مملکت کا قیام باقاعدہ طور پر عمل میں آ گیا۔ اور شاہ ابن سعود کو اس کا نظم و نسق چلانے کے لئے ضروری اقدامات کرنے پڑے، تو انہی اخوان کے بعض گروہ جو پہلے ابن سعود کے جاں نثار ساتھی تھے، اس کے مخالف ہو گئے اور اس کے خلاف بغاوت کر دی۔

پاکستان ٹائمز مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۶۹ء میں حکومت سعودی عرب کے وزیر محنت و امورِ معاشرتی شیخ عبدالرحمن کا ایک مضمون "سعودی عرب میں معاشرتی ترقی" کے نام سے چھپا ہے۔ اس کے یہ اقتباسات ملاحظہ ہوں:-

(۱) شیخ حافظ وہبہ (موصوف ایک عرصہ دراز تک سعودی عرب کے لندن میں سفیر رہے) اپنی کتاب "جزیرہ عرب بیسویں صدی میں" لکھتے ہیں:- ۱۹۲۹ء میں علماء دین مکہ معظمہ میں جمع ہوئے اور ایک قرارداد منظور کی، جس میں مدارس میں ڈرائنگ، اجنبی زبانیں اور جغرافیہ پڑھانے پر اعتراض کیا گیا تھا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ڈرائنگ چونکہ تصویر کشی ہے، اس لئے یہ مذہب میں ممنوع ہے۔ اجنبی زبانیں سیکھنے سے یہ ہو گا کہ ہم کفار کے نظریات اور ان کا مفسد لٹریچر پڑھنے لگیں گے۔ اور اگر ہم نے جغرافیہ پڑھا تو ہم یہ ماننے لگیں گے کہ زمین گول ہے اور وہ گردش کرتی ہے۔

(۲) ۱۹۲۷ء میں نجد کے مطیر، عتیبہ اور العجمان قبائل نے شاہ ابن سعود کے خلاف بغاوت کر دی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ شاہ نے اپنا ایک بیٹا مصر اور ایک لندن (جو کافروں کی سرزمین ہے) بھیجا تھا۔ اور یہ کہ اس نے سرزمین اسلام میں تار، لاسلکی اور کاریں رائج کی ہیں۔ یہ قبائل سمجھتے تھے کہ یہ چیزیں اسلام کے خلاف ہیں۔

شاہ ابن سعود نے اس قسم کی بغاوتوں کو بڑی سختی سے کچلا) اور اس طرح وہ تاریخ میں صرف ایک فاتح اور کشورکشا کی حیثیت سے یاد نہیں کئے جائیں گے، بلکہ ان کا نام ان کی بحیثیت ایک بانی سلطنت اور منتظم و مدبر کے ہمیشہ باقی رہے گا۔ شاہ ابن سعود کے بعد شاہ سعود کا دَور آیا۔ اور اب شاہ فیصل برسرِاقتدار ہیں۔ آج کا سعودی عرب اُس سعودی عرب سے جس کی طرح شاہ ابن سعود نے ڈالی تھی، کتنا مختلف ہے۔ اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے، جس نے یہ دونوں دَور اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ اس دَور میں سعودی عرب میں کوئی بنک نہ تھا اور نہ حکومت کا بجٹ ہوتا تھا۔ اب سعودی عرب ایک باقاعدہ جدید طرز کی حکومت ہے، جو بڑی سرعت سے گزشتہ کئی صدیوں کی پس ماندگی کو دُور کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

مسلمان عوام کے اسلام کا ایک رول تو وہ ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا کہ اس کے تحت انھوں نے اجنبی استعمار کے خلاف بڑی جرأت اور دلاوری سے آزادی کی جنگیں لڑیں اور ایک رول ہمارے بعض گروہوں کا یہ ہے کہ وہ ہر معاشرتی تبدیلی کو بدعت و کفر سمجھتے ہیں۔

X

ہمارے نزدیک یہ آخری رول عارضی ہے۔ اور جس طرح سعودی عرب جیسے ملک میں یہ ترقی و اقدام میں روک نہیں بن سکا، اسی طرح اور مسلمان ملکوں میں بھی یہ عوام کو آگے بڑھنے سے نہیں روک سکے گا۔ ہمیں اس صورت حال سے گھبرا کر اسلام کے تاریخی رول اور اس کے ترقی خواہ اور انقلاب آفریں امکانات سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ پاکستان میں معاشرتی، معاشی اور ثقافتی تبدیلیاں آئیں گی۔ ان کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ صنعتیں اپنے ساتھ نئے معاشرتی لوازم لاتی ہیں۔ اور جتنا ان کا دائرہ کار وسیع ہوتا ہے، اتنے ہی معاشرتی لوازم بڑھ جاتے ہیں۔ اور ان کے مطابق افراد اور جماعتوں کو اپنی زندگی بدلنی پڑتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ان کی سوچ بھی بدلتی ہے۔ لیکن اس سب تغیّر و تبدل میں یہ امر ملحوظ رہنا چاہیئے کہ کسی چیز کو قبول کرنے اور کسی کو رد کرنے کا اختیار خود ہمارے ہاتھ میں ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس ایک کسوٹی ہو، جس پر ہم کھوٹے اور کھرے اور حسن اور قبیح کو پرکھ سکیں، جو ہمارے معیار پر پورا اترے اسے ہم اپنے اندر سمو کر اسے اس طرح اپنائیں کہ وہ خود ہماری اپنی چیز بن جائے، اور جو معیار پر پورا نہ اترے، اس کو ہم رد کر دیں۔ یہ کسوٹی اور معیار وہ ہے جو ہمیں [illegible] کی تاریخ اور اس تاریخ میں مسلمانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں تک اسلام کے بنیادی عقائد کا تعلق ہے، وہ انسانی فکر کی بلند ترین منزل ہیں۔ ایک خدا۔ ایک انسانیت۔ ایک ہدایتِ حقہ جس کا سلسلہ ازل سے چلا آرہا ہے۔ ایمان کے ساتھ عملِ صالح کی شرط۔ اور اپنے ہر عمل کے لئے جواب دہ ہونا، اس دنیا میں بھی اور اگلی دنیا میں بھی۔ مساوات اور عدل و انصاف۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ انسان اپنے خالق کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہ عبادت ہی اسے سزاوارِ جنت و جہنم بناتی ہے۔

یہ تو اصل ہے، جس پر ایک مسلمان کی شخصیت تعمیر ہوتی ہے۔ اب رہا معاشی نظاموں کے متعلق مختلف "ازم"۔ تو اگر یہ "ازم" ان بنیادی عقائد پر غالب آتے ہیں، تو ظاہر ہے یہ اسلام کے منافی ہوں گے۔ لیکن اگر یہ "ازم" محض ایک طریقہ کار ہے، منجملہ اور طریقہ ہائے کار کے، تو آخر اس کے صواب و ناصواب کو پرکھنے میں کیا ہرج ہے۔

اگر ایک فرد یا قوم کی اپنی خودی قائم رہتی ہے۔ اور اس کے قیام کا لامحالہ انحصار صرف اس کے معنوی وجود پر ہوتا ہے، تو اسے کسی "ازم" سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔ خذ ما صفا و دع ما کدر زندگی کا بہترین عملی اصول ہے، ہمیں بھی اسی کو اختیار کرنا چاہیئے۔

×

مراکش کی وزارتِ اوقاف و شؤون اسلامیہ کی طرف سے "دعوۃ الحق" کے نام سے ایک ماہوار رسالہ نکلتا ہے۔ اس کے ایک شمارہ میں "فکرِ اسلامی کی ترتیبِ جدید کی طرف" ایک مضمون شائع ہے۔ آج فکرِ اسلامی کن خطرات کے نرغے میں ہے، اس کا ذکر کرنے کے بعد مضمون نگار لکھتے ہیں کہ ہم طویل صدیوں میں فکرِ اسلامی کا ضخیم کتابوں میں جو مختلف فرقوں کے باہمی نزاعات پر مشتمل ہیں، مطالعہ کرتے رہے اور اس فکر کے جوہرِ اصلی سے جسے مسلمان مفکروں اور نابغوں نے پروان چڑھایا تھا، استفادہ نہ کرسکے۔ آج ضرورت ہے کہ اس فکر کو ان اضافوں اور زوائد سے الگ کرکے متعین کیا جائے۔

مضمون نگار کے خیال میں فکرِ اسلامی پر جو کتابیں لکھی جاتی ہیں، ان کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ وہ اس فکر کی جزئیات پر بحث کرتی ہیں۔ اور اسے کلی طور پر نہیں لیتیں۔ مثلاً ان میں غزالی یا ابن تیمیہ یا معتزلہ یا اشاعرہ پر بحث ہوگی اور ان کو ایک فکری کڑی میں مربوط کرنے کی کوشش نہیں ہوگی۔ گویا فکرِ اسلامی غیر مربوط ہے۔ حالانکہ اس میں ایک مسلسل ارتقا ہے۔ اور اس میں جو اختلافات ہیں، وہ جزوی ہیں۔ اس کے جوہرِ اصلی میں نہیں۔ مضمون میں بتایا گیا ہے کہ فکرِ اسلامی دو اساسی مرحلوں سے گزرا ہے۔ ایک مرحلہ تو تھا پانچویں صدی ہجری تک کا، جس میں مختلف فرقوں کے جدل و جدال کے بعد اہل السنت والجماعت میں اکثر فرقوں کی مشترک باتیں جمع ہوگئیں۔ اور دوسرا مرحلہ وہ ہے جس میں اہلِ فقہ اور اہلِ تصوف کی کشمکش رہی۔ کشمکش دوسرے لفظوں میں عقلی استدلال اور قلب کے درمیان تھی۔ یعنی یہ دل و دماغ کی نزاع ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مضمون نگار لکھتے ہیں کہ فکر اسلامی جامع ہے۔ قلب و عقل، مادہ و روح اور دنیا اور آخرت پر اور ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے الگ کرنے کے معنی اسلام کی راہ وسط سے انحراف ہے۔ ان کی رائے میں ہر عہد میں مسلمان مفکروں نے اپنے عہد کی ذہنی ضرورتوں کے مطابق فکر اسلامی کو ترتیب دینے کی کوشش کی ہے۔ اس کے لئے موصوف کہتے ہیں: "جب اس سے پہلے بارہا مسلمان مفکر اس فرض سے عہدہ برآ ہو چکے ہیں، تو ہمیں تو آج اس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے کہ فکر اسلامی کو چھلکوں اور اختلاف و جدل کی بحثوں سے پاک صاف کرکے ایک عمومی و جامع شکل میں پیش کریں۔ جب ہم غزالی کی احیاء علوم الدین، ابن تیمیہ کے رسائل، ابن خلدون کا مقدمہ اور (شاہ ولی اللہ) دہلوی کی حجۃ اللہ البالغہ دیکھتے ہیں، تو ہمیں ان مثبت کوششوں کا علم ہوتا ہے جو آج ہمارے پیش نظر ہیں۔

ایک جامع و عمومی فکر اسلامی کی تدوین و ترتیب جو مشترک اساس بن سکے تمام مسلمانوں کے لئے، اور وہ تاریخ اسلام کے سب باقیات صالحات کو اپنے اندر سمیٹ لے، آج ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے اس کے لئے گہری اور وسیع نظر بھی چاہئیے اور بڑا دل بھی، جو نہ صرف مسلمانوں کے تمام فرقوں کو ایک تنے کی شاخیں سمجھے، اور ان شاخوں پر جو بھی پھول کھلے ہیں، وہ ان سب کے حسن و خوشبو سے متمتع ہو، بلکہ وہ دوسری تہذیبوں اور بالخصوص مغربی تہذیب پر نظر رکھتا ہو، اور سب سے استفادہ کرے۔ جس طرح اسلام تمام مذاہب کا نقطۂ کمال ہے، اسی طرح فکر اسلامی کو تمام انسانیت کے لئے فکر عمومی ہونا چاہئیے کہ سب اس میں اپنی گم شدہ متاع پائیں"۔

×

خوش قسمتی سے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی علمی روایات میں فقہیت پر تصوف کو ہمیشہ ترجیح حاصل رہی ہے۔ اور یقیناً تصوف میں فقہیت کے مقابلے میں زیادہ عالمگیریت، زیادہ عمومیت اور زیادہ وسعت مشربی ہے۔ اب اگر ہمارے ہاں اسلامی فکر کی ترتیب جدید کی کوشش ہو تو ہم دوسری مسلمان قوموں کی بہ نسبت اس کام کو شائد بہتر طور سے کر سکیں۔ آج کل عرب اقوام اسلام کو عربیت سے الگ کر کے دیکھنے کو تیار نہیں، اسی طرح دوسری مسلمان اقوام میں بھی قومیت و وطنیت پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ پاکستان کے مذہبی فکر کا روگ بس فرقہ واریت ہے۔ اگر وہ اس سے بالا ہو جائے، تو یہ عالم اسلام کو بہت کچھ دے سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com